سراپا رشکِ غم ہو کر پاکستان آیا تھا

آج بھی 14 اگست کی شہنائیوں میں ہندو کے ہاتھوں اغوا ہونیوالی بہنوں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں

تفضیل احمد ضیغم

پاکستان کی طرف ہجرت کرنے والے قافلے برسوں کی جائیدادوں، دوستوں کی محفلوں اور بچپن کی یادوں کو چھوڑ کر خوف و ہراس سے مسلح ایک ایسے خطہ زمین کی جانب بڑھتے چلے جارہے تھے جو کلمہ طیبہ اور اسلام کے نام پر معرض وجود میں آچکا تھا۔ ہاں جب انہوں نے وادی غربت میں قدم رکھا تھا تو دور تک انہیں یاد وطن ستانے آئی تھی لیکن اسلامی سلطنت کی کشش نے ان یادوں کو کھرچ کے ذہن سے نکال دیا تھا وہ اپنی انکھوں کے سامنے اپنے جلتے ہوئے گھروں کو دیکھ رہے تھے۔ ایک نوجوان اپنی حویلی سے دور کھیتوں میں چھپا حویلی سے بلند ہوتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہا تھا دھوئیں کے اٹھتے ہوئے مرغولے اس کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے اتنی دور سے بھی اس کے جلتے ہوئے بیوی بچوں کی صدائیں اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں مگر وہ یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا اس لئے کہ ان چیزوں کے عوض اسے ایک اسلامی سلطنت کا باشندہ ہونے کا اعزاز ملنے والا تھا۔ جب آگ کے شعلے دم توڑ گئے حویلی راکھ کا ڈھیر بن گئی دشمن رخصت ہوگئے وہ چپکے سے کھیتوں سے نکلا اور حویلی کے قریب پہنچ گیا کچھ دیر کھڑا رہا پھر نہ جانے دل میں کیا خیال آیا کہ آگے بڑھ کے بجھی راکھ سے ایک مٹھی اٹھائی اور اسے پلو میں باندھتے ہوئے کہا ''یاد رکھنا مہندر سنگھ اس راکھ سے ایک غیرت مند قوم جنم لے گی یہ راکھ میری قوم میرے وطن کی امانت ہے اس سے اسلام کے قلعے کی تعمیر ہوگی''۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بھر آئے اور سوئے وطن چل پڑا۔ ایسے نہ جانے اور کتنے جی دار تھے جو چشم اشکبار لئے خزاں دیدہ چمن چھوڑ آئے تھے۔ ہاں ان کا شیشہ، دل زخموں سے چور تھا۔ لیکن وہ پاؤں میں آبلے اور خاک اٹے بال لئے تیز قدموں سے سرحد کی جانب دوڑ رہے تھے ہر شخص کا سینہ مظلومیت کی داستان بنا ہوا تھا کئی بار قلم نے ان داستانوں کو ملا کر ایک داستان بنانے کیلئے حرکت کی لیکن کسی ہندو کے وجود تلے دبی مسلم بہن کی سسکیوں نے قلم سے قوت کو چھین لیا اور داستانیں پھر بے ترتیبی سے بکھری گئیں۔ آج ہم 14 اگست کو جشن آزادی اس سرزمین پر مادر پدر آزاد ہو کے مناتے ہیں جس کی بنیادوں کے نیچے لاکھوں شہیدوں کی بے گور و کفن لاشیں اور بے گناہ لہو کی موٹی تہہ جمی ہوئی ہے۔ اور جشن کے نام پر رقص و نغمہ کی محفلیں ان کے گھروں میں منعقد ہوتی ہیں جن کی مسلم بہنوں کو ہندوؤں اور سکھوں نے اغوا کرلیا تھا۔ جن کی عزت و غیرت سکھوں کی داشتہ بن گئی تھی۔ آج 14 اگست کو ہولیڈے سمجھ کر ان کے گھروں میں وی سی آر کے آرڈر بک ہوتے ہیں جن کے آباء واجداد کی داڑھیاں ہجرت کے وقت ویران اور شکستہ مسجدوں کو دیکھ کر آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔ ہندوؤں نے سکھوں کو ساتھ ملا کر نہتے مسلمانوں پر جو ظلم و ستم توڑے وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہیں یقین نہیں آتا تو لیجئے چند داستانوں کو پڑھ لیجئے۔

میری غیرت کا جنازہ میری آنکھوں کے سامنے جارہا تھا

قیام پاکستان کے وقت مسلمان عورتوں پہ جو بیتی ایسا نظارہ شاید چشم فلک نے اس سے پہلے

نہیں دیکھا تھا۔ابراہیم خان آفریدی لکھتے ہیں'' میں بچشم خود ایک مکان سے یہ منظر دیکھ رہا تھا دوکانوں اور مکانوں سے شعلے لپک رہے تھے ایک ہندو ہاتھ میں بلم لئے ایک دوکان سے نکلا اس کا بلم خون آلود تھا اور کندھے پر ایک نوجوان مسلم لڑکی تھی اسی اثناء میں ایک نوجوان مسلم لڑکا چشم زدن میں خنجر لئے ایک گلی سے نمودار ہوا دھوپ میں وہ چمک رہا تھا۔ وہ ہندو پر وار ہی کرنا چاہتا تھا کہ ایک ہندو فوجی نے جو کہ گشت پر تھا رائفل سے فائر کر کے اس نوجوان کو شہید کر دیا اسی دوران وہ ہندو دھوئیں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مع لڑکی کے غائب ہو چکا تھا۔

یہ تو بڑا چھوٹا واقعہ تھا ریاست کپورتھلہ کے ایک غیر آباد جگہ سے قریب ہی ایک گہری اور چوڑی نہر گزرتی تھی جسے پار کرنے کیلئے کانجلی نامی پل کے اوپر سے گزرنا پڑتا تھا ایک دن ہزاروں افراد کا میلوں لمبا قافلہ اس غیر آباد علاقہ سے گزرتے ہوئے کانجلی کا پل پار کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ہندو سکھ غنڈوں نے آگے پیچھے سے قافلے پر حملہ کر دیا وہ نعرے لگاتے ہوئے کرپالوں اور برچھیوں سے مسلمانوں کو ذبح کرنے لگے نوجوان لڑکیوں کو چھین کر ایک طرف کر رہے تھے ایک قیامت خیز منظر تھا قافلہ میں سے ستر کے قریب نوجوان لڑکیوں نے قافلہ کا قتل عام دیکھ کر کانجلی کے پل سے نہر میں چھلانگیں لگا دیں جس کا پانی تقریباً تیس فٹ گہرا تھا اس طرح انہوں نے اپنی جانوں کو ختم کر کے غنڈوں کے گندے ہاتھوں سے اپنے جسموں کو بچالیا۔

بازار بکروانا میں ایسے مظالم ہوئے کہ سن کر رونگھٹے کھڑے ہوتے ہیں۔نوجوان لڑکیوں کے پستانوں کو کاٹ کر ہار بنا کر پہنے گئے ہندو اور سکھ اپنی اس بہیمت پر خوشی سے ناچتے رہے کئی کنواری لڑکیوں نے کنوؤں میں کود کر اپنی عصمت بچائی۔

سلطان پور سے روانہ ہونے والے ایک قافلہ پر اچانک ایک رات ہندو اور سکھ درندوں نے تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے حملہ کر دیا یہ غنڈے مسلمانوں بچوں کو ان کی ماؤں کی گودوں سے چھین کر اوپر آسمان کی جانب اچھالتے جب وہ گرتے تو انہیں نیزوں کی انیوں پر پرو لیتے وہ معصوم بچے بوٹیوں کی طرح لٹکتے اور تڑپتے اس پر درندوں کے قہقہے گونجتے رہے۔ انسانیت کے یہ کفن فروش زندہ عورتوں کی چھاتیاں کاٹتے اور ہوا میں کٹے ہوئے پستانوں کو اچھالتے ہوئے اسے اپنی فتح و کامرانی سے تعین کرتے تھے

(داستان ہجرت:۴۹)

> آج تم 14 اگست پہ جشن منانے کیلئے شراب و کباب کی محفلیں سجاؤ، نیم عریاں جسموں کے رقص کرواتے ہوئے نوٹ نچھاور کرو، ہمیں تو ان محفلوں سے مظلوم بہنوں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں۔ ان بزرگوں کے نم آلود چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ جنہوں نے مجروح عصمتوں کے جنازے کندھوں پہ اٹھا کے بھی پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ لگایا تھا۔ میرے قدم جب بھی ان رنگیلی محفلوں کی جانب بڑھنے لگتے ہیں تو لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ میرے قدموں کو سُن کر دیتا ہے۔ تو میں یہ پکارتے ہوئے پلٹ آتا ہوں میرے آباء میں تم سے غداری نہیں کروں گا

اور قیام پاکستان کا وہ دلخراش واقعہ شاید کبھی فراموش نہ ہو سکے جسے نذر صاحب نے بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ

ہمارا لٹا پٹا قافلہ سرحد پار کر کے پاکستان پہنچ چکا تھا۔ایک رات ہم اہل محلّہ کھلے میدان میں لیٹے ہوئے تھے کوئی سو رہا تھا کوئی جاگ رہا تھا کہ اچانک ایک کارکن نے آ کر کہا جلدی کرو محلّہ سے جس قدر زنانہ جوڑے اور چادریں جمع ہو سکیں صبح پو پھٹنے سے پہلے فیروز پور روڈ پہنچا دیں وہاں مہاجرین کا ابھی ایک قافلہ پہنچا ہے جس کی تمام عورتوں کے بدن کے کپڑے ہندو غنڈوں نے چھین کر انہیں بالکل برہنہ حالت میں پاکستان کی سرحد میں دھکیل دیا ہے۔ یہ تکمیل پاکستان کا ہی دن تھا کہ:

عصمت دختر اسلام سے کھیلے کافر
جبر کے کندھوں پہ غیرت کا جنازہ دیکھا
ہم نے جس سوزحمیت سے قفس پھونکے تھے
آشیانوں کو اسی آگ میں جلتے دیکھا

مسجدوں کے صحن بہت روئے جب وہاں عصمتیں پامال ہوئیں

امرتسر میں کوچہ غزنویاں میں مسجد غزنویہ تھی جہاں ہر وقت قال اللہ وقال الرسول ﷺ کے نغمے بلند ہوتے تھے جہاں بیٹھ کر امام عبداللہ غزنوی، امام عبدالجبار غزنوی، مولانا یوسف کلکتوی، اور مولانا محمد حسین ہزاروی رحمہم اللہ نے ساری عمر درس قرآن و حدیث دیا جہاں سے توحید کی شمعیں روشن ہوکر تمام ہندوستان کو منور کرتی رہیں۔ اس کی کیفیت ایک چشم دید گواہ یوں بیان کرتا ہے ''مسجد غزنویہ میں پہنچے تو دیکھا گیارہ لڑکیوں کی دردانگیز لاشیں اپنی مظلومیت کا اظہار کر رہی ہیں وہ سب بے جان تھیں زخموں سے خون جاری تھا اور پیٹ چاک تھے جائے مخصوص سے لیکر چھاتی تک ازار بند کھلے ہوئے تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ خانہ خدا میں ان کی عصمت دری کر کے ان کو قتل کیا گیا ہے۔ پناہ بخدا یہ امرتسر تھا''

(امرتسر کی خون آشام کہانی، شیخ عبدالغفار)

آہ اے حرم کی آئینہ بردار مسجد الاماں
خونچکاں ہیں سرفروشان حرم کی داستاں

اس جگہ حرم کی شہزادیاں لوٹی گئیں
کشور اسلام کی آبادیاں لوٹی گئیں

اس طرح امرتسر کے مسلم محلوں میں مسلمان مرد قتل کئے گئے اور عورتوں کو کھونٹوں پر الٹا لٹکا کر ان کے پیٹ چاک کئے گئے اور نیم زندہ نیم مردہ حالت میں نیچے آگ جلا کر انہیں بھسم کیا گیا بچے ماؤں کے سامنے قتل کر کے ان کی گودوں میں ڈالے گئے۔ عورتوں کی عصمتوں پہ ہاتھ ڈالے گئے اور پھر ان کی ٹانگیں توڑ دی گئیں بازو کاٹ دیئے گئے اور آج رات کی تاریکی میں جشن آزادی مناتے ہوئے ہمیں بدنوں سے کھیلنے والوں کو کیا معلوم کہ ہم نے سروں کو بیچ کر چمن کی قیمت ادا کی تھی۔ ہاں آج تم 14 اگست پہ جشن منانے کیلئے شراب وکباب کی محفلیں سجاؤ، نیم عریاں جسموں کے رقص کرواتے ہوئے نوٹ نچھاور کرو، ہمیں تو ان محفلوں سے مظلوم بہنوں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں۔ ان بزرگوں کے نم آلود چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ جنہوں نے مجروح عصمتوں کے جنازے کندھوں پہ اٹھاکے بھی پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا تھا۔ میرے قدم جب بھی ان رنگیلی محفلوں کی جانب بڑھنے لگتے ہیں تو لا الہ الا اللہ کا نعرہ میرے قدموں کو سُن کر دیتا ہے۔ تو میں یہ پکارتے ہوئے پلٹ آتا ہوں میرے آباء میں تم سے غداری نہیں کروں گا۔

جب قرآن کی فریاد نے لٹے مسافروں کو رلا دیا

ہندوؤں اور سکھوں نے سارے ہوشیار پور کی مساجد سے قرآن مجید لے کر سڑکوں پر پھینک دیئے تھے اور بدمست ہو کر اغواشدہ خواتین کی بے حرمتی سڑکوں پر سرعام کر رہے تھے آخر ایک مرد مجاہد نے رائفل سنبھالی اور بلوچ رجمنٹ کے افسران سے بات کی اس پہ بلوچ رجمنٹ کے جوانوں نے کہا کہ پاکستان تو بنا ہی قرآن مجید کیلئے ہے اسے ہم سڑکوں پر کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ چنانچہ سڑکوں اور گلیوں سے قرآن مجید کو اٹھایا گیا۔ تقریباً پچاس بوریاں بھری گئیں، جنہیں ایک کنوئیں میں دفن کیا گیا۔

(نہ سن سکو گے جو کہوں داستان غم، اقبال سہیل)

ایسا ہی ایک واقعہ امرتسر سے گزرتے ہوئے ایک لٹے پٹے قافلہ کے ساتھ پیش آیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ امرتسر میں ہندو سکھ قرآن مجید کے اوراق میں پکوڑے اور مٹھائیاں بیچ رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ جوشیلے نوجوان اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار ہوگئے لیکن فوجی جوانوں نے انہیں قابو میں رکھا کہ صورتحال مزید خراب نہ ہو چنانچہ وہ زاروقطار روتے ہوئے وہاں سے گزر گئے۔

لٹے قافلوں نے جو، لٹے چمن کو دیکھا

ایک زخمی کے جذبات واحساسات کو وہی بہتر انداز میں سمجھ سکتا ہے جس کا اپنا سینہ فگار ہو

اورخزاں رسیدہ چمن کی شاخوں سے نکلنے والے دھوئیں سے وہی دردمحسوس کرسکتا ہے۔ جس کا اپنا آشیانہ بھی خزاں کی نذر ہو چکا ہو۔ قیام پاکستان کے وقت ہجرت کرنے والے نیم جان قافلے جب اجڑے ہوئے مسلم علاقوں سے گزرتے تھے تو کٹے پھٹے اعضاء بکھری ہوئی لاشیں، جلے ہوئے مکانات اور نوچی ہوئی برہنہ لاشیں دیکھ کر تڑپ تڑپ جاتے تھے یہ دردناک مناظر آج تک ان بچے کھچے لوگوں کے ذہنوں سے چپکے ہوئے ہیں جنہیں بیان کرتے ہوئے اکثر ان کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں ہوشیار پور میں ہندو مرہٹہ فوج نے پندرہ روز تک ساڑھے تین ہزار مسلمان شہید کئے۔ اوراغواہونے والی مسلمان خواتین کی تعداد کا علم نہ ہوسکا اسی ہوشیار پور کا ایک بچا کھچا قافلہ چوراسی کے مقام پر بلوچ رجمنٹ کی حفاظت میں پہنچا تو سامنے وسیع نہر تھی جسے عبور کرنا تھا نہر چڑھی ہوئی تھی اس وقت اسے عبور کرنا مشکل تھا چنانچہ کچھ دیر کیلئے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ لیکن نہر کا منظر بڑا دردناک تھا ہزاروں مسلمان شہیدوں کے کٹے ہوئے سر، بہتے ہوئے۔ انجانی منزلوں کی جانب جارہے تھے جنہیں اپنا وطن دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا تھا اس لئے قافلے کے لوگوں نے نہر کنارے کھڑے ہو کر ان کیلئے دعا کی اور فوجی جوانوں نے فوجی روایات کے مطابق اس نہر سے گزرتے ہوئے سروں کو سیلوٹ کیا تہجد کی نماز کے ساتھ ہی نہر میں پانی اترنا شروع ہوگیا لیکن پانی کم ہونے کے باوجود اس قدر سرخ تھا کہ رات میں بھی اس کی سرخی دن کی سرخی کی طرح تھی یہ تحریک پاکستان پر قربان ہونے والوں کا خون تھا۔

(داستان ہجرت، ۲۱۲)

آج ان گمنام شہیدوں سے کون واقف ہے جنہوں نے ایک اسلامی ریاست کیلئے بھارت ماتا کے ندی نالے بھی اپنے خون سے سرخ کردیئے تھے جن کے خون کی سرخی ابدالآباد بھارت کی سفاکی اور مسلم دشمنی کی گواہی دیتی رہے گی۔ نہر پار کر کے قافلہ اشکبار تھا کہ اچانک ان کے کانوں سے کسی عورت کے کراہنے کی آواز ٹکرائی دیکھا تو ایک خاتون خون میں لت پت پڑی آخری سانسیں گن رہی تھی اس کے قریب پہنچے تو عورت نے کہا ''پاکستان کو میرا سلام پہنچا دیجئے خود نہ رہ سکے تو کیا ہوا، رہنے والوں کیلئے تو ہے قائد اعظم سے کہہ دیجئے کہ شام چوراسی کے نوجوانوں، بزرگوں، اور جوان لڑکیوں نے پاکستان کی جنگ شام چوراسی کی نہر پر لڑی ہے۔ اور یہ خون ہرگز رائیگاں نہیں جائے گا۔

(نہ سن سکو گے داستان..... اقبال سہیل)

امرتسر سے گزرنے والے ایک قافلے کا بیان ہے کہ دریائے بیاس میں پہلے سے تباہ شدہ قافلے کی لاشیں ادھرادھر بکھری پڑی تھیں۔ اور ان کے صندوقوں کے تالے توڑ توڑ کر سکھ سامان تلاش کررہے تھے لاشوں کو کتے، چیلیں اور گدھ نوچ رہے تھے۔ اس خوفناک منظر سے ہمارے قافلے کی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نم آلود نہ ہو اور بدبو اتنی تھی کہ راستے سے گزرنا محال تھا

امرتسر سے گزرنے والے ایک قافلے کا بیان ہے کہ دریائے بیاس میں پہلے سے تباہ شدہ قافلے کی لاشیں ادھرادھر بکھری پڑی تھیں۔ اور ان کے صندوقوں کے تالے توڑ توڑ کر سکھ سامان تلاش کررہے تھے لاشوں کو کتے، چیلیں اور گدھ نوچ رہے تھے۔ اس خوفناک منظر سے ہمارے قافلے کی کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نم آلود نہ ہو اور بدبو اتنی تھی کہ راستے سے گزرنا محال تھا۔

ایک بہت بڑے قافلے سے صرف تین بچیوں کے ساتھ زندہ بچ جانے والی خاتون بیگم ناہید الرحمٰن کا بیان ہے کہ راستے میں پیدل چلنے

والے قافلے والوں پر جو بیتی اس کا دردناک منظر جگہ جگہ نظر آتا تھا۔ سہروں کے پھولوں میں دلہے، سرخ و سبز کپڑوں میں دلہنیں جوان مردوں، عورتوں اور بچوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ اور گدھوں کے پیٹ ان کی آخری آرامگاہ بن رہے تھے جو لاشوں کو نوچ کر کھا رہے تھے

(دلدوز داستان: ناہید الرحمن)

اسی طرح ٹرین سے مہاجرین کا سامان اتارنے والوں میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک دن سٹیشن پہ ٹرین رکی میں نے مہاجرین کی مدد کیلئے آگے بڑھ کر ایک ڈبے کو کھولا تو وہاں کوئی سواری نہ ملی، بلکہ پورے فرش پر ایک انچ موٹی منجمد انسانی خون کی تہہ نظر آئی جس سے یہی معلوم ہوا کہ اس ڈبہ کی تمام سواریاں ذبح کر کے لاشیں باہر پھینک دی گئیں ہیں اس تصور سے مجھے ایک جھرجھری سی آئی اور میں پیچھے پلٹ آیا۔ ہاں یہ پاکستان ہی ہے کہ جس کیلئے:

گھر جلے، جسم کٹے، کوچہ و بازار لٹے
کتنی معصوم تمناؤں کے شاہکار لٹے
جن کا اس وقت ہمیں نام بھی معلوم نہیں
جن کا چہرہ کسی آئینے میں مرقوم نہیں
ان کا خون بھی اس بنیاد میں کام آیا ہے
اور یہ خون ہی تاریخ کا سرمایہ ہے

لیکن میں اکثر یہ سوچ کر اکیلا ہی تنہائیوں میں بولنے لگتا ہوں کہ میرے آباء ہمیں معاف کر دینا ہم تمہارے خون کی حفاظت نہیں کر سکے۔ بلکہ ہم نے اکثر و بیشتر اپنے سیاسی وقار کیلئے شہیدوں کی گلگری قباؤں کو بھی بیچا ہے جس طرح ہندو نے ہم سے نفرت کا اظہار کیا تھا اور آج تک اس نفرت کو برقرار رکھا ہے ہم نے پیٹھ میں خنجر کھا کے بھی محبت سے ان کی جانب دیکھا ان کی تہذیب اور رسومات کو اپنی زندگی میں یوں داخل کیا کہ اپنے ہی ہاتھوں اسلامی روایات پہ چھری چلانے لگے۔ اے سکھوں اور ہندوؤں کی داستانین بن جانے والی مسلمان بہنو! معاف کرنا تمہیں اپنے سر کا آنچل چھن جانے پر افسوس تھا کہ تمہارے ننگے سر کو کبھی کسی غیر محرم نے دیکھا نہ تھا آج ہم نے اس آنچل اور دوپٹہ کا کلچر کو ویسے ہی ختم کر دیا ہے۔ ہاں اے اپنے ہی خون کے دریا میں تیرنے والی شہیدوں کی لاشو! اس وطن کی مٹی واقعی تمہارے خون سے گندھی ہوئی ہے لیکن ہم نے اس کے سینے پہ ڈش، کیبل اور وی سی آر کے ذریعہ عزتوں کی نیلامی کا ناپاک بیوپار کیا ہے۔ میرے آباء مجھے معاف کر دینا کہ جلے نشیمن پر آنسو بہانے والی آنکھیں سرد ہو چکی ہیں۔

مگر وہ علم کے موتی
کتابیں اپنے آباء کی

کتب خانے کسی بھی قوم کی تہذیب و ثقافت اور صدیوں کی تاریک کے آئینہ دار ہوتے ہیں جن میں قوموں کی راہنمائی کیلئے روشنی کے مینار گڑھے ہوتے ہیں۔ لیکن جب بزدل ہندو نے مسلمانوں سے صدیوں کی غلامی کا بدلہ لیا تو ان علمی ذخائر کو بھی جلا کر راکھ کر دیا جن میں بعض ایسی قلمی کتابیں موجود تھیں جن کا اب دستیاب ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ انہی فسادات کے زمانہ میں رام باغ میں ایک مسلمان کے گھر کو آگ لگائی گئی مکینوں نے بھاگ کود کر جان بچائی اور مالک سرد آہیں بھرتا ہوا کہہ رہا تھا کہ میرے مکان میں میرے آباء واجداد کی بے شمار نایاب کتابیں تھیں، جن میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کریم بھی تھا.....۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری عیسائیت، مرزائیت، آریہ، ہندو، سناتن دھرمی اور تمام مذاہب باطلہ کیلئے منہ توڑ مناظر تھے۔ انہوں نے اب ان اسلام کے دفاع اور حقانیت کیلئے ہزارہا نایاب کتابیں جمع کر رکھی تھیں۔ قرآن و حدیث اور دیگر دینی علوم پر مشتمل کتابیں تو حساب سے باہر تھیں۔ سعودی عرب، لبنان، مصر، بیروت اور ہندوستان بھر کی عمدہ کتابیں انہوں نے کتب خانہ میں جمع کر لی تھیں۔ نصف صدی تک ہندوستان کے مسلم اخبارات و رسائل کی مکمل اور مجلد فائلیں الگ تھیں لیکن اسے یوں برباد کیا گیا کہ ماتم کرنے والا کوئی نہ تھا مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحومؒ کے اکلوتے نوجوان بیٹے بھی انہی دنوں شہید ہو گئے تھے لیکن انہیں اپنے بیٹے کی شہادت کا اتنا غم نہ تھا جتنا کتب خانہ کے برباد ہونے کا تھا اس علمی ذخیرہ کے تذکرہ پر اکثر ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں اور پھر اس غم کو سینے میں

بسائے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

کتب خانہ غزنویہ اپنی مثال آپ تھا جس میں بعض کتابیں تو ایسی تھیں کہ حرمین شریفین کی شاہی لائبریری کے علاوہ اس کی نقل کہیں موجود نہیں تھی۔ اسی طرح مولانا بہاؤالحق کے معروف بزرگوں اور آباء و اجداد کی کتابوں پر مشتمل لائبریری جسمیں نادر و نایاب کتابیں تھیں آگ کی نذر ہو گئیں۔ ایم اے او کالج امرتسر کی شاندار لائبریری اور ہندوستان میں متعدد پبلک اور نجی لائبریریاں تھیں جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اس ساری علمی میراث کو آگ لگا دی گئی اور کچھ کو لوٹ کر برباد کر دیا گیا۔

(امرتسری کی خون آشام کہانی۔ عبدالغفار نذر)

یہ درست ہے کہ مسلمانوں کی جائیدادیں لٹیں املاک پہ قبضہ ہو گیا مگر جو علمی ذخائر برباد ہوئے اس کی تلافی کبھی نہیں ہو سکے گی۔

اس خطہ پاکستان کو حاصل کرنے کیلئے کیسی کیسی روح فرسا اور دلدوز داستانوں نے جنم لیا دوچار ہے دنیا واقف ہے اور باقی طاق نسیان کا گلدستہ بن گئیں۔ برصغیر کے مشہور مورخ غلام قادر فرخ کے بقول تقسیم ملک کے موقعہ پر مسلمانوں کے پچیس لاکھ انسان قتل و مجروح ہوئے۔ پچھتر لاکھ انسانوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا اور یہ اعداد و شمار صرف مشرقی پنجاب کا ہے بقیہ ہندوستان کا اس میں شمار نہیں کیا اسی طرح ہندوستان کی وہ سینکڑوں مساجد جہاں اللہ اکبر کی روح پرور صدائیں گونجا کرتی تھیں ان کے صحن مظلوم عورتوں کی عصمت دری کیلئے استعمال ہوئے اور بعد میں وہ مساجد جانوروں کے باڑوں اور نجی رہائش میں بدل گئیں لاکھوں کی تعداد میں چلنے والے قافلے جب سرحد پار کر کے پاکستان پہنچے تو صرف چند ہزاروں پر مشتمل تھے اور انہوں نے یہ سفر اس طرح طے کیا تھا کہ برسات کے موسم میں کئی کئی دن رات مسلسل بارشوں میں سفر کیا بیٹھنے کیلئے نیچے جگہ نہ تھی کئی فٹ پانی کھڑا تھا سروں پہ گٹھڑیاں اٹھائے چھاتیوں سے بھوکے بچے لگائے بے کسی کے عالم میں عورتیں بھی جا رہی تھیں جن کے بے دردی سے زیورات نوچنے سے کان پھٹے ہوئے تھے۔ کئی بیمار سفر نہ کر سکتے تھے انہیں راستوں میں بے آسرا تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اور ان سفر کرنے والے مظلوموں پہ ہندو اور سکھ شکاری کتوں کی طرح حملہ کرتے تھے۔ جب کسی محفوظ کیمپ پہ پہنچے تو ہندوؤں نے پینے کے پانی میں اور کنوؤں میں زہر ملا دیا۔ جس سے کئی مسلمان آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کے ختم ہو گئے۔ قلم میں اتنی سکت نہیں کہ ان ایام کی دردناک تصویریں کھینچے اس کام کیلئے بھی دل کی جگہ پتھر ہونا چاہئے ہندو مسلمان کا ازلی دشمن ہے اس کی شقاوت و سنگدلی کی داستانیں اس وقت سے لیکر آج تک ختم نہیں ہوئیں۔ لیکن شکوہ تو اپنوں سے ہے جنہوں نے اپنے کان تاریخ کے اس نعرہ سے بند کر لئے پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ بلکہ ہر 14 اگست کو رقص گاہیں دوچار اور بن جاتی ہیں۔ میکدوں کی اک اور دنیا آباد ہوتی ہے۔ اخلاقی اقدار کی پامالی میں کچھ اور داستانیں جنم لے لیتی ہیں میں تو اسلامی ملک کی خاطر سراپا رشک غم ہو کر پاکستان آیا تھا۔ اک نئے گھر کی تعمیر کیلئے ان گنت گھر لٹا کے آیا تھا۔ میں نے کندھوں پہ چشم اشکبار لئے لاشے اٹھائے میرا چمن جلا کے دشمن نے عجب جشن منائے لیکن گلستان وطن کی ساری دلچسپیاں چھوڑ کر فقط اسلام کیلئے پاکستان آیا تھا مگر میں نے دیکھا کہ میرے وطن میں کبھی روشن خیال سیاستدانوں نے اسلامی روایات کا گلا گھونٹ دیا کبھی سیکولرازم کے نعروں سے اسلام کو روکا اور کبھی جمہوریت کی آڑ میں دین سے کھیلا کبھی اس وطن کا ایک حصہ کاٹ دیا اور کبھی آپس میں بندر بانٹ پر لڑنے لگے ہاں مجھے یاد پڑتا ہے۔

ایک نے دکھلائی مجھے رنگ بہاراں کی جھلک
جام و مینا کی جھلک، رقص نگاراں کی جھلک
ایک دکھلانے لگا خلد کے خوابوں کی جھلک
اک نے دکھلائی تمدن کے سرابوں کی جھلک
ابھی دیکھے بھی نہ تھے نان جویں کے ٹکڑے
اس اثنا میں ہوئے میری زمین کے ٹکڑے
دشمنوں نے تو فقط تھا میرے گھر کو لوٹا
دوستوں نے میرے فکر و نظر کو لوٹا
میں یہاں پیٹ کی خاطر تو نہیں آیا تھا
میرا ایمان میرا قرآن مجھے لایا تھا

☆☆☆☆☆